# تورات کے دس احکام
# اور
# قرآن کے دس احکام

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ)

۴

میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ مسلمانوں کو بھی چونکا دیا گیا ہے کہ جیسے امتِ یہود کو احکام عشرہ سپرد کئے گئے تھے اسی طرح تمہارے حوالے بھی قرآن کے احکام عشرہ کئے جاتے ہیں لیکن اس کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے کہ ان احکام کے ساتھ زندگی کا حقیقی تعلق اسی وقت تک باقی رہ سکتا ہے جب تک "الآخرۃ" کا یقین تمہارے اندر صحیح معنوں میں زندہ رہے گا لیکن جس حد تک آخرت کا یقین مردہ، یا پژمردہ ہوتا چلا جائے گا اسی حد تک دین کی حقیقی روح توحید سے بھی تم دور ہوتے چلے جاؤ گے جیسا کہ یہود پر یہ حادثہ گذر چکا ہے۔ تاریخی نمونہ تمہارے سامنے ہے، چاہئے کہ اس نمونہ سے عبرت و بصیرت کا سبق حاصل کیا جائے۔

اور ہے بھی یہی بات، خالقِ کائنات ہی کو اللہ بنا کر اپنی زندگی کی آخری سانس پوری کرنے کی ہمت تو اسی میں پیدا ہو سکتی ہے جو یقین رکھتا ہے کہ زندگی صرف تشکیک اور تذبذب کے درمیانی وقفوں کے اندر محدود ہو کر ختم نہیں ہو جاتی، ورنہ جس کے حوصلہ میں اسی محدود وقفہ کے سوا زندگی کے تصور کی گنجائش ہی نہیں ہے وہ اس وقت تک تو ممکن ہے کہ خالق کائنات ہی کو اللہ بنا کر پوجتا رہے اور اسی کے در پر ڈٹا رہے جب تک کہ اس کی آرزوؤں کی تکمیل کا سامان قدرت کی طرف سے مہیا ہوتا رہے گا۔ لیکن جاہل ناعاقبت اندیش انسان کی طرف سے خدا کے دربار میں ایسی آرزو کے پیش کرنے کا سلسلہ جب شروع ہوا جو خود آرزو کرنے والے کے لئے بالآخر نقصان رساں ہو، ظاہر ہے کہ ایسی صورتوں میں بندوں پر جو سب سے زیادہ مہربان ہے

. . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

. . . . . . اپنے علم کو آرزو کرنے والے کے جہل و نادانی کا تابع کیسے بنا سکتا ہے؟ یہی وقت ہوتا ہے جب الآخرت پر یقین رکھنے والے تو اللہ ہی کی ڈیوڑھی پر دھونی رمائے پڑے رہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ زندگی مادر و قبر کے دو مٹیوں کے درمیان ہی میں محدود نہیں ہے بلکہ اس آسمان و زمین کے آگے اور بھی آسمانوں اور زمینوں کا وسیع نظام ہے۔

خود ہمارے نفع کے لئے اور کسی نقصان سے بچانے کے لئے پروردگار کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ اس منزل میں ہماری جاہلانہ آرزو پوری نہ ہو، لیکن زندگی اسی منزل تک محدود کب ہے جو چیز یہاں نہیں ملی کہیں اور ملے گی۔

مگر وہ غریب کیا کرے جو موجودہ زندگی کے محدود وقفہ سے زیادہ زندگی کے تصور کی صلاحیت ہی اپنے اندر سے کھو چکا ہے بجز اس کے کہ اس دربار میں نہیں ملا تو کسی اور در پر ہاتھ پھیلایا جائے۔ یہی شرک کی بنیاد ہے جس پر اوہام و خیالات کی بھول بھلیاں بنتی چلی جاتی ہیں اور ان دیکھی باتوں میں آدمی کی ذہنی کاریگریاں ان دیکھی باتوں کا اضافہ کرتی چلی جاتی ہیں، جن میں ایک دلچسپ لطیفہ وہ بھی ہے کہ خدا کے دربار میں مردانہ پن کے ساتھ نسوانی علامات رکھنے والی دیویوں کا پتہ بھی مشرکانہ ذہنیت رکھنے والوں کو مختلف زمانوں میں نظر آیا ہے حتیٰ کہ آپ پڑھ چکے کہ یہود جیسی دینی قوم بھی مشرکوں کے اس افترائی وہم کے شکار ہونے سے محفوظ نہ رہ سکی۔ اس موقعہ پر قرآن نے عقیدہ شرک پر تنقید کرتے ہوئے منجملہ اور باتوں کے دیویوں کے مشرکانہ وہم کا بھی ذکر کرتے ہوئے اسے "قول عظیم" یعنی بڑی بات قرار دیا ہے۔ اللہ اللہ خدائے قدوس کو ان دیوانوں نے شاید اردو کا وہ شاعر فرض کر لیا جس نے اپنی سب سے بڑی آرزو۔

حسینوں کی بھری محفل ہو ہم ہوں

کو قرار دے رکھا تھا۔

اسی سلسلہ میں حد سے زیادہ سادہ لیکن دل آویز پیرایہ میں سمجھایا گیا ہے کہ یہ ساری مصیبت اپنے سر مشرکوں نے صرف اس لئے لی ہے کہ بلا وجہ یہ سمجھ بیٹھے کہ "موجودہ زندگی" کے دائرہ سے باہر زندگی کا

تصوروں کے احساسات کے لئے ناقابل برداشت یا ناممکن ہے قرآن نے یہ چاہا ہے کہ زندگی سے جو محروم تھا جب اپنے آپ کو وہ خود زندہ پا رہا ہے اور صبح و شام دیکھ رہا ہے کہ جو زندہ نہ تھے وہ مسلسل زندگی پا پا کر کھڑے ہو رہے ہیں چل رہے ہیں پھر رہے ہیں آخران کھلے کھلے مشاہدات سے برتے ہوئے وہ اسی دیکھے بھالے واقعہ یعنی زندگی سے محرومی کے بعد زندہ ہونے کو اپنے لئے ناقابل برداشت خیال کیوں قرار دے رہا ہے آخرت کے منکروں کا یہ سوال کہ من یعیدنا (ہمیں دوبارہ کون جلائے گا) اسی کا جواب اس موقعہ پر بھی قل الذی فطرکم اول مرۃ (کہو ہی جلائے گا جس نے پہلی دفعہ تمہیں پیدا کیا) جو دیا گیا ہے اور دوسرے الفاظ میں یہی جواب قرآن کے مختلف مقامات میں جو پایا جاتا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ جانی پہچانی ہوئی حقیقت جس کا تجربہ و مشاہدہ شب و روز ہم میں ہر ایک خود اپنے متعلق بھی اور دوسروں کے متعلق بھی کر رہا ہے جب کہا جاتا ہے کہ یہی صورت پھر تمہارے سامنے پیش ہوگی تو اسے وہ تعجب سے کیوں دیکھتا ہے۔

پھر مسلمانوں کو اس کی فہمائش کرتے ہوئے کہ نہ ماننے والوں کو نرمی کے ساتھ سمجھانا چاہئے گویا تفہیم کا جو سادہ طریقہ ایمان بالآخرت کے متعلق اختیار کیا گیا اشارہ کیا گیا ہے کہ اسی مثال کو ان مواقع میں چاہئے کہ مسلمان اپنے لئے نمونہ بنائیں قرآنی الفاظ قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن (یعنی کہہ دو میرے بندوں سے کہ بولا کریں اچھی باتیں) بظاہر شاید اسی طرز عمل کی طرف ان سے اشارہ کیا گیا ہے۔ الحاصل خواہ مخواہ دلوں میں نفرت پیدا کرنے والی تقریروں سے بجائے قریب کرنے کے لوگوں کو بھڑکانا نہ چاہئے۔ حتیٰ کہ اس قسم کا فیصلہ کہ خدا کس پر رحم کرے گا، اور کسے سزا دے گا۔ کسی خاص قوم یا شخصیت کے لئے ایسے مواقع پر بجائے مفید ہونے کے مضر ہی ہوتا ہے[1] یا اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کو دوسری قوموں کے بزرگوں سے ناپ ناپ کر ان کی تحقیر و تذلیل کا شیوہ بھی غلط شیوہ ہے فرمایا گیا ہے کہ اور تو اور خود پیغمبروں اور نبیوں میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت بخشی گئی ہے یہودیوں کے پیغمبر حکمراں حضرت داؤد علیہ السلام کا نام

[1] فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر نے علاوہ دوسری وصیتوں کے ایک وصیت یہ بھی فرمائی ہے کہ جس کے خاتمہ کا علم نہ ہو خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو اس کی ذات سے عداوت نہ رکھنی چاہئے ہاں برے افعال خواہ مسلم کے ہوں یا غیر مسلم کے قابل نفرت ہیں (فتوحات ج ۲ ص ۵۸۰)

بطور مثال کے لیا گیا ہے کہ زبور کی دل دوز دعاؤں کی نعمت سے ان کو سرفرازی بخشی گئی تھی ۔ حاصل جس کا بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی کشادہ دلی، فراخ چشمی کے ساتھ دوسرے اقوام و امم کے بزرگوں کے فضائل کا مسلمانوں کو اعتراف کرنا چاہئے قوموں سے قریب ہونے کا گر یہی ہے ۔

پھر شرک ہی کی طرف توجہ کرتے ہوئے سمجھایا گیا ہے کہ یہاں آرزو پوری نہ ہوئی تو وہاں ہوگی ۔ تم خود بتاؤ کہ کیا اس مقصد میں لوگ کامیاب ہوتے ۔ لاکھوں در در بھٹکنے اور در در کی ٹھوکریں کھانے والوں میں بھی کتنے ہیں جو سارے پاپڑ بیلنے کے بعد بھی یہی کہیں گے کہ نہ ان کے دکھ ہی کا ازالہ ہوا ہے اور نہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی ہوئی ۔ واقعہ یہی اظہار کیا گیا ہے کہ خدا کے سوا جن کو تم نے معبود بنا لیا ہے ان میں خود تراشیدہ اوہام کے سوا بعض ملائکہ فرشتے یا بزرگوں کی روحیں جو بسا طِ قرب سے بہت زیادہ نزدیک ہیں لیکن باوجود اس قرب کے دعاؤں سے وہ خود مستغنی نہیں ہیں ، خدا کی رحمت کے سوا ان کا بھی سرمایہ اور کچھ نہیں ہے ۔ وہ بھی اسی جستجو میں رہتے ہیں کہ حق تعالیٰ جن باتوں سے خوش ہوتے ہیں ان ہی کو وسیلہ بنا کر ان کی رضامندی حاصل کی جائے ۔ ایسی صورت میں تم ان ہی کا طریقہ کیوں اختیار نہیں کرتے لیکن بجائے اس کے تم ان کو پوج کر خدا سے بھی دور ہو رہے ہو اور ان بزرگوں سے بھی ۔

پھر یہی آلاخرۃ کا ایمان و یقین جس کی محرومی نے شرک کو پیدا کیا اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ یہ ساری آبادیاں جو آج کرۂ زمین پر نظر آ رہی ہیں ، بہر حال فنا ہو کر رہیں گی خواہ عذاب سے کہ قدرت ان کو ختم کرے یا فنا کا عام قانون ان کو نابود کرے لیکن ہے بہر صورت یہ مقررہ فیصلہ اور مسطور کتاب اگر موجودہ زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو، تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ عالم کا یہ سارا نظام لاحاصل اور بے نتیجہ ہو کر رہ گیا اور اچھے برے ظالم و مظلوم سب ہی برابر ہو گئے ۔

اس موقع پر یہ سوال دلوں میں اگر پیدا ہو، کہ ایسی سیدھی سادی دل نشین، عقل گیر باتیں جن سے آدمی کی فطرت، اس کے اندرونی احساسات سب کے سب مطمئن ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی نہ ماننے والوں کا اصرار ان کے انکار ہی پر کیوں باقی رہا آپ چاہیں تو اس سوال کا جواب ان آیتوں میں پا سکتے ہیں جن میں اطلاع دی گئی ہے کہ نہ ماننے والوں نے تو ان سے بھی زیادہ روشن آیات اور نشانیوں کو دیکھ کر ۔

انکار ہی پر اصرار کیا، مثلاً وہ مشہور تاریخی واقعہ یاد دلایا گیا، جب خدا کے پیغمبر نے پتھر سے سب کے سامنے زندہ جیتی جاگتی اونٹنی کو نکال کر دکھاتے ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ سب سے بڑی قدرت والے خدا کا وہ نمائندہ ہے لیکن جو طے کئے ہوئے تھے کہ ہم نہ مانیں گے، انھوں نے اس آیۃ مبصرہ (آنکھیں کھول دینے والی نشانی) کو بھی دیکھ کر پیغمبر کو خدا کا نمائندہ اور پیغام پہنچانے والا نہ مانا، اور یہ تو قدیم عرب کے ماقبل التاریخ دور کا ایک واقعہ تھا۔ قرآن جن لوگوں میں نازل ہو رہا تھا ان ہی کو دھمکیاں دی گئیں تم گھیر لئے جاؤ گے قرآن جن پر نازل ہو رہا تھا ان کو خواب دکھایا گیا کہ جس شہر سے تم کو نکالا گیا ہے اسی شہر میں تمہارا شاندار فاتحانہ داخلہ ہوگا، اور قرآن ہی میں اطلاع دی گئی، کہ جس شجر (درخت کو) قرآن میں گندہ اور خبیث قرار دیا گیا ہے جس سے گھن آتی ہے یعنی شرک و کفر کی باتیں اس ملعون و خبیث درخت کو اکھاڑ دیا جائے گا۔ اور یہ ساری دھمکیاں اسی پیغمبر کی طرف سے پیش ہوئیں جن کے متعلق سننے والوں کا یہ دوامی تجربہ تھا کہ جو بات وہ کہتے ہیں وہ پوری ہوتی ہے اور جو اطلاع دیتے ہیں کبھی غلط نہیں ہوتی مگر باایں ہمہ ان دھمکیوں سے بجائے ڈرنے کے سننے والوں کی طغیانیوں اور سرکشیوں ہی میں اضافہ ہوگیا

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یہ ایک دلچسپ سوال اس مقام کا ہے لیکن کسی رنگین و منور شکول سے پاک آنکھیں اگر نہ دیکھیں تو بے شک یہ بات محلِ حیرت ہو سکتی ہے لیکن ایسی نگاہیں جو آنکھ کی بینائی سے ماؤف ہوں ان کے نہ سوجھنے پر تعجب کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

اب دیکھئے، سوال تو آپ کے دل میں پیدا ہوا، اور چاہتے تو اس کے جواب کو شیطان اور آدم کے اس قصے سے آپ سمجھ سکتے ہیں جس کا خاص الفاظ میں یہاں بھی اعادہ کیا گیا ہے حاصل جس کا یہی ہے کہ غیر اللہ کے بھروسہ اور اعتماد کی آلائش جس دل میں باقی رہ جاتی ہے۔ اس کے اندر اسی آلائش کی راہ سے شیطان گھس جاتا ہے اور سارے عقلی احساسات پر شیطان مسلط ہو کر صحیح حقائق کی یافت سے ان کو محروم کر دیتا ہے اور یہی جواب ہے اس سوال کا کہ اتنی کھلی کھلی واضح باتیں آخر انکار کرنے والوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی ہیں۔ قصہ کے آخر میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ — میرے بندوں پر تیرا (اے شیطان) بس نہیں

چل سکتا، اور تیرا رب ان کی پشت پناہی کے لئے کافی ہے۔

الغرض حق تعالیٰ کی بندگی، خالص بندگی کے دائرہ سے باہر ہونے کی یہ قدرتی سزا مقرر کی گئی ہے کہ شیطان کو مسلط ہو جانے کا حکم باہر ہو جانے والوں پر دے دیا جاتا ہے اور اسی باطنی سزا کا یہ اثر کہ حق وصداقت کے سمجھنے اور قبول کرنے کی صلاحیت ان لوگوں میں باقی نہیں رہتی۔

رہا یہ خیال کہ اسباب کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی موجودہ زمینی زندگی میں غیر اللہ کے بھروسے اور اعتماد کی آلائشوں سے دلوں کو پاک وصاف رکھنے میں کیا آدمی کامیاب ہو سکتا ہے؟ اس کو سمجھاتے ہوئے پہلے تو یاد دلایا گیا ہے کہ اسی زندگی میں بسا اوقات ایسی گھڑیاں بھی گذرتی ہیں کہ قدرتاً خالق کے سوا کسی دوسرے بھروسے کا شائبہ بھی دلوں میں باقی نہیں رہتا۔ مثال میں دریائی سفر کے اس حادثے کو پیش کیا گیا ہے، جب جہاز کسی ایسے خطرے میں پھنس جاتا ہے، جب

ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ — کھو گیا وہ سب جسے تم پکارتے تھے اللہ کے سوا

اس تجربہ کے سوا بتایا گیا ہے کہ اسباب پر عام حالات میں بھروسہ کرنے کا آدمی عادی ہے اور ان کو نہ پا کر گھبرانے لگتا ہے۔ ان اسباب کے متعلق یہ حکیمانہ فہم عطا فرمایا گیا ہے، کہ غور کرو گے تو عادت اور مزاج کے سوا غیر اللہ کے اس اعتماد کے نیچے نہیں اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ آخر دیکھئے سمندر میں بے اطمینانی کی جس کیفیت کو ہم اپنے اندر پاتے ہیں زمین پر پہونچ جانے کے بعد یہ کیفیت ہمارے دل میں کیوں باقی نہیں رہتی بظاہر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ زمین تو ایک ٹھوس اور کثیف مادہ ہے جس پر پہنچنے کے بعد ڈوب جانے کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔

لیکن خشکی اور تری۔ یا زمین اور سمندر کے درمیان یہ فرق وامتیاز جسے ہم محسوس کرتے ہیں۔ کیا کوئی واقعہ ہے کیا درحقیقت زمین پر پہنچ جانے کے بعد اطمینان وطمانیت کی واقعی ضمانت آدمی کو مل جاتی ہے۔

اس موقعہ پر قرآن نے سمجھایا ہے کہ آئے دن زمین پر بھی تم دیکھتے رہتے ہو کہ زلزلہ کے حوادث

پیش آتے رہتے ہیں اس وقت زمین بھی چیزوں کو اسی طرح نگلنے لگتی ہے جیسے سمندر کا پانی اپنی سطح پر بہنے والی چیزوں کو اپنے اندر کھینچ لیتا ہے۔ یا یہی زمین ہوتی ہے۔ آدمی اس پر چلتا پھرتا رہتا ہے، اچانک اسی ہوا اور فضا سے اولوں کی شکل میں سنگریزوں کی بارش ہونے لگتی ہے، قدرت پانی اور ہوا سے مرکب بخارات میں اتنی سختی اور صلابت پیدا کر دیتی ہے کہ ان کی چوٹ سے آدمی اسی حد تک متاثر ہوتا ہے، جس حد تک پتھر اور سنگریزوں سے ہو سکتا ہے۔ کھوپڑی چور چور ہو جاتی ہے اگر اتفاقاً کسی کھلے میدان میں اولوں کی بارش کے اندر آدمی پھنس جاتا ہے پھر سمندر اور دریا میں بے اطمینانی اور زمین پر اطمینان کی کیفیت کی توجیہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ صرف عادت کا یہ کرشمہ ہے میری سمجھ میں تو قرآن کے ان الفاظ سے یہی آتا ہے یعنی فرمایا گیا ہے کہ

| | |
|---|---|
| أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا | کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ خشکی کے کنارے کے ساتھ تمہیں دھنسا دیا جائے یا تم پر اولوں کی بارش بھیج دی جائے پھر اس وقت نہ پاؤ گے تم اپنے لئے وکیل اور ٹھیک |

بلکہ اس سے آگے بھی اگر سوچا جائے، تو زندگی کے یہ تجربات یہ بتا سکتے ہیں کہ اپنے اندر آدمی لاکھ اقتدار و اختیار محسوس کرتا ہو لیکن اس اقتدار و اختیار پر کب اسے اختیار رہے، وہ خشکی پر اطمینان کی اور سمندر و دریا میں پہنچ کر بے اطمینانی کی کیفیت اپنے اندر پاتا بھی ہو لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ حالات پھر سمندر کے سفر پر اس کو مجبور کر کے پھر اسی بے اطمینانی کا شکار اسے نہ بنا دیں گے، بس عادت کے

---

لہ مرا اشارہ "حاصب" کے لفظ کی طرف ہے، عام طور پر ارباب تفسیر اس کا ترجمہ سنگریزوں یا پتھروں وغیرہ جیسے الفاظ سے کرتے ہیں لیکن جب عربی زبان میں اولوں کو بھی حاصب کہتے ہیں تو جہاں تک میرا خیال ہے حاصب سے اولے اگر مراد لئے جائیں تو عام طور پر پیش آنے والے حوادث سے یہ تفسیر زیادہ قریب ہوگی فرزدق کا شعر ہے

مستقبلین جبال الشام تضربنا بحاصب کندیف القطن منثور

اہل لغت نے حاصب کا لفظ جو اس شعر میں ہے اس سے اولے ہی مراد لئے ہیں ۱۲

قانون کے تحت باہر میں اطمینان کی ضمانت بھی حاصل کر لی جائے لیکن اندر کے اقتضاؤں کا کیا کرتے جو مجبور کر کے اطمینان کی حالت سے نکال کر بے اطمینانی کے ماحول میں اس کو دھکیل دیا کرتے ہیں قرآنی الفاظ

| | |
|---|---|
| اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ فِیْہِ تَارَۃً اُخْرٰی | کیا تم بے خوف ہو کہ پھر اسی سمندر میں خدا تمہیں دوبارہ |
| فَیُرْسِلَ عَلَیْکُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ | واپس کرے اور بھیج دے پھر تم پر کوئی طوفانی ہوا |
| فَیُغْرِقَکُمْ بِمَا کَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ | پھر تمہاری ناشکری کی سزا میں تمہیں اسی سمندر میں |
| عَلَیْنَا بِہٖ تَبِیْعًا | ڈبو دے پھر نہ پاؤ اپنے لئے پیروکار ہمارے مقابلہ میں |

ان میں غور کرنے سے آپ بھی اسی نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ جن اسباب پر بھروسہ کر کے اطمینان کی سانس لینے کا آدمی عادی ہے یہ سارا قصہ صرف عدم فکر و تامل کا نتیجہ ہے اور اطمینان و سکون کا حقیقی سرچشمہ حق تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے، اسی کی ذات اور اسی کا ارادہ ہے، جس کے قبضہ اقتدار میں وہ سب کچھ ہے جو ہمارے باہر ہے اور وہ سب کچھ جو ہمارے اندر ہے یہی واقعہ کہ جو سمجھتے ہیں وہ بھی جو نہیں سمجھتے ہیں وہ بھی ہر ایک کی ٹیک۔ حق تعالیٰ کی ذات مبارک ہے اسی واقعہ کے احساس کو اپنے اندر پیدا کرنا اور اسی احساس کو مسلسل اپنے اندر زندہ اور بیدار رکھنا، یقین کی یہی کیفیت آدمی کو "عبادی" (میرے بندوں) یعنی حق تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے راستباز، مخلص بندوں کے دائرے میں داخل کر دیتا ہے وعدہ کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ کو بھی اپنا وکیل بنا ہوا ہر حال میں پائیں گے۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا

آگے اسی حقیقت کا پہلے کائنات کے ایک کھلے مشاہدے کی روشنی میں نظارہ کرایا گیا ہے یعنی آدمزاد دیکھنے میں تین ساڑھے تین ہاتھ کا ڈھانچہ ہڈیوں کا ایسا ڈھانچہ نظر آتا ہے جس پر نرم و گرفت نازک پوست کا غلاف مڑھ دیا گیا ہے۔ اس غلاف کی بال اور اون وغیرہ سے حفاظت بھی نہیں کی گئی ہے حد سے زیادہ نازک کہ کانٹے کی ہلکی سی نوک کی چبھن بھی آدمی برداشت نہیں کر سکتا لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ یہی ضعیف و نزار، کمزور و ناتواں وجود کائنات کے دیو ہیکل، فیل پیکر ہستیوں پر قبضہ جمائے ہوئے ہے، پہاڑوں کو توڑ رہا ہے، سمندر کے جگر کو چاک کر رہا ہے، اونٹوں کی نکیلیں

میں نکیل ڈالے ہوتے، سانڈوں کو سدھائے ہوئے، ہاتھیوں کو دباتے ہوتے، جہاں جی چاہتا ہے ان سب کو لئے پھرتا ہے۔ الغرض جمادات و نباتات و حیوانات میں ایسا مشکل ہی سے کوئی ہوگا جس پر اس کی کھلی کھلی برتری قایم نہیں ہے بتایا جائے کہ کفی باللہ وکیلا (اللہ انسان کے لئے وکیل بن کر کافی ہوگیا ہے) اس کے سوا اس مشاہدے کی اور کیا توجیہ کی جاسکتی ہے۔

| | |
|---|---|
| وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي | اور عزت بخشی ہم نے آدم کو اور چڑھادیا اس کو ہم نے |
| الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ | خشکی و تری پر اور ستھری چیزوں کی روزی عطا کی ہم نے |
| وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا | اسے اور برتری بخشی اسے ایسی بہت سی چیزوں پر جیسے |
| تَفْضِيْلًا | ہم نے پیدا کیا خوب اچھی طرح برتری۔ |

اگر ان قرآنی الفاظ میں "کفی باللہ وکیلا" کا تماشا مجھے نظر آرہا ہے تو اس تماشے میں کیا میں تنہا ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ اس روح پرور، جاں فزا نظارے کے بعد بھی غیر اللہ کے اعتماد کا اور بھروسہ کا کانٹا آدمی کے دل سے اگر نہ نکلے تو اندھے کے سوا اسے اور کیا سمجھا جائے اور نابینائی کی یہی کیفیت اس زندگی سے منتقل ہوکر دوسری زندگی میں اس کے ساتھ رہے تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہئے اور اسباب کے اس جنگل میں اصل حقیقت کے پالینے میں کامیاب ہوکر اپنے ساتھ دوسروں تک یہی حقیقت کے اس علم کو پہنچاتا رہا اگر اس وقت جب تقطعت بہم الاسباب (توڑ پھوڑ دئے جائیں گے اسباب کے سلسلے) اور اشرقت الارض بنور ربہا اور جگمگا اٹھے گی دنیا اپنے حقیقی پروردگار کی روشنی سے) کا نظارہ سامنے آئے گا تو جو کچھ انھوں نے دنیا میں سمجھا اور پڑھا تھا اور اسی علم کے مطابق زندگی گذاری تھی، ان کی مسرت کا کون اندازہ کرسکتا ہے ان ہی باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوتے کہ جب وہ دن آئے گا تو لوگوں کو اپنے اپنے پیشواؤں کے ساتھ بلایا جائے گا پھر جو اس دنیا میں اندھے بن کر جیتے رہے وہ اپنے آپ کو اندھا، بہت زیادہ اندھا پائیں گے اور جن پر حقیقت خود کھلی یا ان کے پیشواؤں نے حقیقت ان پر کھولی تھی وہ واقعہ کے مطابق اپنی کتاب کو پڑھیں گے اور دیکھیں گے کہ بال برابر بھی تو حقیقت سے ان کا علم متجاوز نہیں ہوا تھا۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی، اس کے بعد پھر "کفی باللہ وکیلا" یعنی وکالت وکارسازی کے لئے اللہ ہی کافی ہے اسی حقیقت کی تائید ایک کائناتی مشاہدہ یعنی بنی آدم کی عام برتری کے تماشے کو دکھا کر جو کی گئی تھی، اسی سلسلہ میں نزولِ قرآن کے زمانہ میں جو تاریخ بن رہی تھی اسی تاریخ کا ایک ورق پیش کرکے بتایا جارہا ہے کہ پڑھنا چاہو تو اس میں بھی "کفی باللہ وکیلا" کی تجلیوں کے سوا دیکھو کچھ اور نظر آرہا ہے؟

مطلب یہ ہے کہ قرآن کو لے کر جس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرزمین عرب میں کھڑے ہوتے، کون نہیں جانتا کہ تنہا کھڑے ہوئے تھے۔ بہ تدریج ساتھ دینے والوں نے کچھ ساتھ بھی دیا تو ان کی تعداد ان لوگوں کے مقابلہ میں کیا تھی جو قرآن کو خدا کا پیغام ماننا نہیں چاہتے تھے پھر ان نہ ماننے والوں کی طرف سے اس کی بھی کوشش کی گئی کہ قرآن ہی سے پیغمبر کو ہٹا دیا جائے، اور جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تب چاہا گیا کہ اس قرآن کے پیش کرنے والے ہی کو اپنے علاقہ سے سرکا دیا جائے۔

مگر جن کے پاس سب کچھ تھا، وہی ناکام ہوئے، اور سمجھا جاتا تھا کہ جس کے پاس کچھ نہیں ہے دیکھا گیا کہ اسی کے گیت گانے والوں اور اس کی مدح وستائش کرنے والوں کی تعداد بڑھتی چلی جارہی ہے اور ترقی کرتے ہوئے وہ ہر دلعزیزی اور محبوبیت عامہ کے اسی مقام تک پہنچ گیا کہ چاہا جاتے تو محمودیت کے جس مقام عالی پر جسے کل دیکھا جاتے گا وہی "مقام محمود" پر آج بھی کھڑا نظر آرہا ہے، نہ ماننے والے اس کی ہجو کرتے تھے چاہتے تھے کہ اس کی مذمت سے دنیا کے کانوں کو بھر دیں لیکن روز بروز اسی کی تعریف کرنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی چلی گئی، اور کون کہہ سکتا ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانہ میں عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا قریب ہے کہ کھڑا کرے تیرا رب تجھ کو "مقام محمود" پر

کی جو پیشگوئی کی گئی تھی وہ اس دنیا میں بھی اسی طرح پوری ہوئی کہ عرب تو عرب زمین کے کرہ کا شاید ہی کوئی خطہ ہوگا جہاں اس کی ستائش کرنے والے اور اس کی نعت پڑھنے والوں کی کافی جماعت نہ پائی جاتی ہو اور حق کے مقابلہ میں باطل کی جس رسوائی کی خبر

قل جاء الحق وزھق الباطل ان بول کہ حق آگیا اور جھوٹ مٹ گیا، اور جھوٹ مٹنے

.البا طل كان زهوقا ہی والا تھا

عرب کی حد تک تو نزول قرآن ہی کے زمانہ میں یہ خبر واقعہ بن چکی تھی۔ اور یوں تاریخ نے پھر ریکارڈ کیا کہ اللہ کے سوا اسباب کے اندر جو بھروسا اور اعتماد کی قوتیں تلاش کر رہے ہیں انھوں نے نہ دنیا ہی کو سمجھا، اور جس قانون کے تحت یہ دنیا چل رہی ہے۔ اس قانون کی بھی صحیح یافت ان کو نہ ہوئی۔

ذیلی طور پر اسی تاریخی شہادت کے اندر اس پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ قرآن کے نام سے جن لاہوتی علوم، لازوال معارف و حقائق کو وقفِ عام کیا گیا ہے اور ہر کس و ناکس کی دسترس میں آج نظر آ رہا ہے ان کی یہ عمومیت کسی کو دھوکہ میں نہ ڈالے واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے پہنچانے کے لئے انھیں جیسی سیرت والی ہستی کا انتخاب قدرت کی طرف سے کیا گیا تھا خود اس پر عمل تو خیر کیا کرتے لیکن اس کے قریب ہو گئے تھے کہ تھوڑی بہت "شئی قلیل" کی حد تک ان لوگوں کی رعایت کی جائے جو قرآن ہی سے پیغمبر کو ہٹا دینا چاہتے تھے مگر قدرت نے اس ارادے کے قریب ہونے میں بھی خود مزاحمت کی جس کا حاصل یہی ہو سکتا ہے کہ وسوسہ ہی بن کر رعایت کا یہ ہلکا سا خیال بھی رہ گیا۔ پھر اطلاع دی گئی ہے کہ اس "شئے قلیل" پر عمل تو عمل اس خیال کے نزدیک بھی خدانخواستہ اگر پیغمبر ہو جاتے تو ضعف الحیوۃ وضعف الممات" کی سزا ان کو چکھائی جاتی یعنی اس جرم کی سزا دوسروں کو جو مل سکتی تھی اسی سزا کو ڈبل اور دو ناکر کے قدرت ان کو چکھاتی اور یہ پیغمبر کے بلند رتبہ کا اقتضاء ہے کہ "نزدیکاں را بیش بود حیرانی" کہنے والے نے اسی لئے تو کہا ہے کہ جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے کیسی وزیر کی ہلکی سی لغزش بھی یقیناً ایک عامی آدمی کے بدترین جرم سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ پیغمبر کے غیر معمولی احترام کی جو روح دھمکی کے ان الفاظ میں پوشیدہ ہے شاید اس کے سوا اس کے اظہار کی کوئی دوسری صورت ہو بھی نہیں سکتی تھی، کوئی بڑی رعایت نہیں، بلکہ رعایت کے "شئے قلیل" نہ ہلکے سے خیال اور خیال بھی نہیں بلکہ اس خیال سے صرف نزدیکی پر غیر معمولی دھمکی کے ان الفاظ سے خود قرآن کی اہمیت کو جس طرح واشگاف کیا گیا ہے اور ایک ہی فقرے کے چند الفاظ میں قرآن اور قرآن کے پہنچانے والی کی رفعت و عظمت کی جو تصویر پیش کی گئی ہے قرآنی تعبیروں کے بھی

وہ پہلو ہیں جن کو اعجاز کے سوا اور کچھ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

قرآن ہی سے پیغمبر کو ہٹا لینے کی کوشش کا ذکر جن الفاظ میں کیا گیا ہے ۔ یہ نتیجے تو ان سے پیدا ہوتے ہیں باقی نہ ماننے والوں نے جب یہ ارادہ کیا کہ پیغمبر قرآن سے اگر نہیں ہٹتے تو ملک بدر کر کے پیغمبر ہی کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا جائے تو اس کا نتیجہ جو کچھ دیکھا گیا اسے تو خیر قیامت تک پیدا ہونے والے دیکھتے اور سنتے رہیں گے لیکن ماسوا اس کے ملک بدر کرنے کے اس ارادے کے مقابلہ میں پیغمبر کو جس عمل کی تلقین اس خاص موقعہ پر کی گئی تھی وہ آج کل کے مسلمانوں کی خاص توجہ کا مستحق ہے ۔

پڑھئے قرآن میں پیغمبر کو ملک بدر اور جلا وطن کرنے کا ارادہ جب نہ ماننے والوں کی طرف سے کیا گیا تو پیغمبر کو حکم دیا گیا ؟ کیا کانفرنس بلائی جائے اخبار نکالے جائیں تقریریں کی جائیں ریزولیوشن پاس کئے جائیں۔ صدائے احتجاج بلند کی جائے ۔ تان کو ایجیٹیشن کی دھمکی دی جائے۔ سنئے، میں ترجمہ قرآن کے الفاظ کا کر دیتا ہوں

"اور قریب تھا کہ تجھے اس سرزمین میں دق کرتے رہیں، تاکہ نکال دیں تجھے اس سے اور تب نہ ٹھیریں گے تیری مخالفت میں مگر تھوڑے یہ دستور ہے ان لوگوں کا جنہیں ہم نے رسول بنا کر تجھ سے پہلے بھیجا اور مرے دستور میں تم تغیر و تبدل نہ پاؤ گے"

ان الفاظ میں تو ان کے اس ارادے کی اطلاع دی گئی جب انھوں نے چاہا کہ پیغمبر ہی کو سامنے سے ہٹا دیا جائے اب سنئے اس کے بعد فرمایا جاتا ہے

"تم نماز قایم کرتے ہو آفتاب کے ڈھلنے کے وقت سے رات کی تاریکی تک، اور (پڑھو) فجر کے قرآن کو بلاشبہ فجر کا قرآن مشہود ہے"

"مشہود" ہونے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ نماز میں جو چیزیں حاضر ہو سکتی ہیں، فجر کی نماز سب کا شہود و حضور ہوتا ہے اس میں خود نمازیوں کے قلوب اور ملائکہ دن اور رات کی نمازوں میں جن کی حضوری کی خبر حدیثوں میں دی گئی ہے الغرض سب کی حضوری کا وقت ہوتا ہے۔

بہر حال ان الفاظ میں ظہر اور رات کی تاریکی کے درمیان عصر اور مغرب کا وقت بھی آجاتا ہے۔ پانچویں

نمازِ فجر کی ہے۔ اور صرف یہی نہیں آ گے ہے۔

اور رات کے حصہ میں بھی تہجد ادا کر تیرے لئے یہ ایک زائد (کام) ہے۔

الغرض ملک بدر کرنے کا ارادہ پیغمبر کے متعلق جب کہا گیا تھا تو جیسا کہ ہر قرآن پڑھنے والا جانتا ہے اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہودا ومن اللیل فتہجد بہ نافلۃ لک کا حکم دیا گیا تھا اور اسی کے بعد بشارت دی گئی تھی کہ محمودیت کے مقام تک توقع کرنی چاہئے کہ تمہارا مالک تمہیں پہنچا دے لن تجد لسنۃ اللہ تحویلا اور " نہ بدلنے والا دستور" قرار دیتے ہوئے قرآن میں یہ جو کچھ کہا گیا ہے کیا صرف اس لئے کہا گیا تھا کہ پڑھنے والے پڑھ لیا کریں؟

اللہ ہی کو سب سے بڑا یقین کرتے ہوئے جو نمازوں میں داخل ہوتے ہیں، اور " السلام علیکم" کہتے ہوئے، نمازوں سے اس طرح نکلتے ہیں، کہ گویا کہیں گئے ہوئے تھے اور وہاں سے واپس ہوتے ہیں۔ اس طریقہ سے نماز پڑھنے والے کاش! غور کرتے اس دعا کے الفاظ پر جو نمازوں کے مذکورۂ بالا حکم کے بعد سکھائی گئی ہے ترجمہ جس کا یہ ہے۔

اے پروردگار! مجھے داخل کر راستی کے داخلے کے ساتھ اور باہر نکال راستی کے باہر نکالنے کے ساتھ اور میرے لئے مقرر فرما اپنے حضور سے ایسی غالب آنے والی قوت جو میری مددگار ہو۔

یعنی ربّ ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا "کی مشہور دعا کو سوچا جاتا اور سمجھا جاتا کہ غلبہ بخشنے والی قوت کے حاصل کرنے

---

لہ جیسا کہ قاعدہ ہے ہمارے مفسرین نے دخول وخروج کے سلسلہ میں مکہ مدینہ قبر آخرت کے ساتھ ان باتوں کا بھی ذکر کیا ہے کہ مشرکوں کے درمیان سے خروج اور مقام امن میں دخول وغیرہ بیسیوں چیزیں تفسیر کی کتابوں میں ملتی ہیں لیکن ان سارے احتمالات میں اس کا تذکرہ کسی نے نہیں کیا جس پر چاہئے تھا کہ سب سے پہلے نظر جاتی آخر نماز اور نماز کے اوقات کے بعد اس دعا کو جب ہم پاتے ہیں تو کیوں نہ سمجھیں کہ اللہ ہی کو سب سے بڑا قرار دے کر نمازی نماز میں جب داخل ہوتا ہے اور سورۂ فاتحہ کی شکل میں اپنی درخواست بارگاہِ الٰہی میں پیش کرتا ہے پھر قرآن کے کسی حصہ کو پڑھ کر اپنی درخواست کا جواب پاتا ہے۔ پھر اپنے مالک کے سامنے جھکتا اور اس کے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

کا قرآنی طریقہ کیا ہے جس کے بعد خبر دی گئی ہے کہ سچ آجاتا ہے اور جھوٹ مٹ جاتا ہے اور جھوٹ تو مٹنے ہی کے لئے ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قدموں پر سر ڈالتا ہے۔ دربار کی حضوری کی سی کیفیت سامنے آتی ہے جیسے دربار میں لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے ہیں وہ بھی بیٹھتا ہے صاحب دربار یعنی حق تعالیٰ کے سامنے تحیات وسلام کو پیش کرتا ہے اس دربار میں رسائی جس ذات کے طفیل میں میسر آئی ان کو سلام کرتا ہے پھر سلام کا جواب حق تعالیٰ سے ملتا ہے آخر میں وہ اسی پیغمبر اور ان کے لوگوں کے لئے دعا کرتا ہے جن کی بدولت قرب کے اس مقام تک اسے رسائی حاصل ہوئی، اسی پر نماز ختم ہو جاتی ہے جس کے بعد پھر ان ہی لوگوں میں چلا آتا ہے جن کے یہاں سے سفر کر کے وہ برتی عالم میں چلا گیا تھا سب کو سلام دعا ہے۔ دخول وخروج کی یہ کتنی صاف واضح شکل ہے لیکن ہم میں کتنے ہیں جو نماز میں اس طرح داخل ہوتے ہیں ان سے مطالبہ صرف یہ کیا گیا کہ کسی غیر کو نہیں صرف اپنے رب کو چند منٹ کے لئے اس دنیا سے ہٹا کر حق تعالیٰ کے سامنے لا کر کھڑا کریں لیکن آہ کہ کم درجہ نہیں سمجھتے وہ آنکھیں بند کر کے شاید خدا کو اپنے سامنے لانا چاہتے ہیں حالانکہ وہ کس سے غائب ہے ہاں ہم اپنی نماز سے غائب ہو جاتے ہیں بس دخول صدق کی دعا کی سب سے زیادہ ضرورت غالباً نماز ہی میں ہے۔ ۱۲

---


# ایک مفید اعلان

## طبی بورڈ

دلی کے تجربہ کار اور مشہور خاندانی حکیموں کا یہ بورڈ صرف اس لئے قائم کیا گیا ہے تاکہ آپ گھر بیٹھے دلی کے قابل حکیموں کے مشوروں اور ان کی متفقہ رائے سے اپنے مرض کا صحیح علاج کرا سکیں۔ اور طبی بورڈ کے متفقہ فیصلہ کے بعد جو بہترین دوا تجویز ہوگی اس سے آپ کو اطلاع دے دی جائے گی۔ ۲۔ مشورہ کی کوئی فیس نہیں۔ ۳۔ خط وکتابت پوشیدہ رہے گی ۴۔ اپنا پتہ پورا اور صاف لکھئے۔

**طبی بورڈ۔ نور گنج۔ دہلی ۶**